ڈاکٹر سہیل عباس

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج ،مری

تشبیہاتِ راشد

Dr. Sohail Abbas

Government Post Graduate College, Murree

Similies of Rashid

N. M. Rashid is the gigantic personality in of the modern urdu poem in the 20th century. He enervates the Urdu poem with many new facets. His poems have a beautiful blend of thought and matchless art. With regartd to his acumen in the zenre of poetry, Rashid's poems are prominent and rise above the other ets. In this paper, the outstanding quality of Rashid's poetry "Similies" is discussed. To carry out the present study, an extensive survay of his poetry with regrence to the use of simile and analogy was done.

تشبیہ کا شمار علم بیان کے اُن ارکان میں ہوتا ہے جس کے ذریعے کلام میں مشترکات تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ایسی مشترک خوبیاں جنھیں پڑھ کر بعض اوقات انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ الفاظ کا یہ پہلو تو اُس نے کبھی ملاحظہ ہی نہیں۔ یہ تخلیق کار کا بہت بڑا فن ہوتا ہے جو ایک چیز کو دوسری چیز سے اس طرح ملاتا ہے کہ اس میں دلکشی اور رعنائی کے مختلف جہانِ معنی آباد نظر آتے ہیں۔

عابد علی عابد کہتے ہیں:

> ''تشبیہ.....وہ فن ہے جس کے ذریعے فن کار انشاء پرداز یا خطیب مختلف چیزوں میں مشابہتیں دریافت کرتا ہے۔ گویا ایک چیز کو دوسری چیز کے مشابہ کر دیتا ہے۔ کہنے کو تو بات ختم ہوگئی لیکن یہ مقام بڑا نازک ہے اور پل صراط کی دھار کی طرح باریک.....عامیانہ مشابہتوں کا دریافت کرنا فن کار کا کمال نہیں۔اس کی نظر گہری پڑتی ہے اور اس لیے ایسی دو چیزوں میں مشابہتیں دکھاتی ہیں جن کا سان گمان بھی نہیں ہوتا۔''(۱)

تشبیہ کے بارے میں ڈاکٹر مزمل حسین کا کہنا ہے:

> ''تشبیہ علم بیان کا پہلا رکن تصور ہوتا ہے۔علم بلاغت کی کتب میں علم بیان کے باب میں سب سے پہلے جس رکن پر بحث کی جاتی ہے وہ تشبیہ ہے۔اردو کی بلاغتی کتب میں اگرچہ تشبیہ کی تعریف مختلف الفاظ اور پیرایوں میں کی گئی ہے۔لیکن تمام تعریف کا ایک یہی مفہوم نکلتا ہے کہ کسی ایک شئے کو کسی خاص صفت کی بنا پر کسی دوسری شئے سے

مشابہت دی جائے یا مانند کہا جائے تو تشبیہ ہوگی۔''(۲)

جے اے کڈن نے تشبیہ کو اس طرح دیکھا ہے:

A figure of speech in which one thing is likened to another, in such a way as to clarify and enhance an image.(3)

ن۔م۔راشد کی بنیادی حیثیت ایک ایسے اہم شاعر کی ہے جس نے نہ صرف اپنے دور کی روایت سے انحراف کیا اور اپنے دور کے روح کی سچی ترجمانی کی ہے بلکہ نئی نسل میں نیا شعور پیدا کر کے تخلیقی سطح پر نئے رویوں کو متعین کرنے کا کام بھی کیا ہے۔آزاد نظم کو عام کرنے میں ان کا نام سرفہرست آتا ہے۔ن۔م۔راشد نے روایت سے انحراف کیا لیکن ساتھ ساتھ انحراف کو روایت سے ملایا بھی ہے یہی ان کے فن کی انفرادیت ہے۔

اگر فن کے حوالے سے دیکھا جائے تو کلامِ راشد میں صنائع و بدائع کا ایک جہان آباد ہیں۔ایک ایسا خزانہ ہے جس میں مختلف النوع ہیرے جواہرات اور موتی ہیں جو ان کے کلام کی چمک دمک میں بہت اضافہ کرتے ہیں۔دیگر فنی خوبیوں کے ساتھ ساتھ کلامِ راشد کا معتد بہ حصہ تشبیہات سے مزین ہے۔تشبیہ ایک ایسی خوبی ہے جس سے کلام کے حسن میں نہ صرف اضافہ ہوتا ہے بلکہ قاری بھی اس سے حظ یاب ہوتا ہے۔

کلامِ راشد میں بہت سے مقامات پر کثرت سے تشبیہات موجود ہیں۔بعض نظموں کا تو معتد بہ حصہ تشبیہات پر مشتمل ہے۔کلامِ راشد میں تشبیہات کے بارے میں ڈاکٹر آفتاب احمد کہتے ہیں:

> ''میں نے اب تک راشد کے ہاں تشبیہوں اور استعاروں کے استعمال کے متعلق کچھ نہیں کہا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اس بحث کو راشد کی ایسی خصوصیات تک محدود رکھا ہے جو اسے دوسرے جدید شعراء سے ممتاز کرتی ہیں۔ ویسے راشد کی تشبیہوں کی ندرت اور تازگی کا میں بھی قائل ہوں اور سب سے زیادہ کی بھرپور معنویت کا۔اس لیے اس کے ہاں تشبیہیں زیبِ داستاں کے طور پر نہیں بلکہ تخلیقی تجربے کا تار و پود بن کر ظاہر ہوتی ہیں۔''(۴)

عنبرین منیر کا کہنا ہے:

> ''جدید نظم گو شعراء میں ن۔م۔راشد اُن میں سے ایک ہیں جنھوں نے محض معنی کی دنیا میں کھو جانے کے بجائے فن کی دنیا کا بھی ساتھ دیا ہے اور معنی کے ساتھ کلام میں فطری طور پر در آنے والے محاسنِ کلام کا راستہ نہیں روکا۔ خاص طور پر تشبیہ و استعارے کے برمحل اور دلکش استعمال میں راشد اپنے ہم عصروں میں ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ان کے ہاں تشبیہ و استعارہ میں جدت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔جو ایک طرف تو ان کی شاعری کی دلکشی اور معنی آفرینی میں معاون ہے اور دوسری طرف ان کے مزاج اور فکر کی عکاس ہے۔''(۵)

ہر شاعر کا لفظیاتی نظام دوسرے شاعر سے مختلف ہوتا ہے۔مثلاً اقبال کی علامتیں شاہین، کرگس، لالہ، ابلیس.....وغیرہ، اسی طرح فیض کے ہاں رقیب، دار و رسن.....ہمیں ملتی ہیں۔راشد کے ہاں بھی لفظیاتی نظام کے تحت مختلف علامتیں، تشبیہیں، استعارے اور تلمیحات کا ایک جہان آباد ہے۔راشد نے اپنے تخلیقی وفور کی بنا پر اپنی ہی تشبیہوں کو مختلف مقام پر مختلف انداز سے برتا ہے۔

ذیل میں کلامِ راشد میں موجود تشبیہات دی جا رہی ہیں۔

میں نالہ شب گیر کی مانند اٹھوں گا
فریاد اثر گیر کی مانند اٹھوں گا
تو وقت سفر مجھ کوروک نہ سکے گی
پہلو سے ترے تیر کی مانند اٹھوں گا
(''رخصت''ص۲۱)

راشد نے ذیل کے مصرع میں اپنے آپ کو تیر کی طرح چلنے سے تشبیہ دی ہے۔مراد یہ کہ بہت تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب گامزن ہوں گا۔

اکیلا جاؤں گا اور تیر کے مانند جاؤں گا (''خواب کی بستی''،ص۲۶)

راشد نے یہاں پر اپنے وجود کی کم مائیگی کو گناہوں کی تذویق سے تشبیہ دے کر اسے حیاتِ جاوداں عطا کر دی ہے۔تشبیہ کے ساتھ ساتھ اس مصرعے میں شاعر نے ''ذوقِ عصیاں'' بڑی خوبصورت ترکیب استعمال کی ہے۔

مجھے حسِ ناتواں کے مانند ذوقِ عصیاں بہار ہا تھا (''گناہ اور محبت''ص۲۹)

راشد ''مری محبت جواں رہے گی'' میں اپنی محبت کو چاند اور ستاروں کی روشنی فطرتی حسن اور شادابی سے جاوداں کر کے بڑی خوبصورت تشبیہ دی ہے۔اسی نظم میں ہی راشد نے اپنی محبت کی رنگارنگی اور رعنائی کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

مثالِ خورشید وماہ وانجم مری محبت جواں رہے گی
عروسِ فطرت کے حسنِ شاداب کی طرح جاوداں رہے گی
مجھے محبت نے ذوقِ مثلِ رنگِ سحر دیا ہے (''مری محبت جواں رہے گی''،ص۳۵)

''ہونٹوں کا لمس''میں راشد نے سنہری اور دلربا پھلوں اور پھولوں کو سراب کہا ہے:

یہ سنہری پھل، یہ سیمیں پھول مانندِ سراب (''ہونٹوں کا لمس''ص۶۶)

کلامِ راشد میں موجود تشبیہوں کی خوبصورتی ملاحظہ کیجیے کہ کیسے انھوں نے پتوں میں موجود رگوں کی سرسراہٹ کو نئی شراب سے تشبیہ دی ہے۔

دیکھ پتوں میں لرزتی ہوئی کرنوں کا نفوذ
سرسراتی ہوئی بڑھتی ہے رگوں میں جیسے

اوّلیں بادہ گساری میں نئی تند شراب

(''اتفاقات''ص۶۹)

محبت ایسا لطیف جذبہ ہے جو ایک خاص رنگ و آہنگ اور لطف و سرور کے پیکر میں ملبوس نظر آتا ہے۔شاعر ان لطف آمیز جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے محبت کے خیال کو چاند سے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح چاند کی خوبصورتی اور دلکشی مسلّم ہے، بعینہٖ محبت کا خیال آتے ہیں ذہن خود بخود چاند چہرے کی طرف مرکوز ہو جاتا ہے۔

اور پھر چاند کے مانند محبت کے خیال (''سوال''ص۸۲)

راشد کے ہاں ''خدا'' کی علامت دراصل استعمار کے بارے میں ہے۔استعماریت کس طرح مشرق پر غاصبانہ قبضے کی خواہاں اور دیرینہ تمنا لیے بے چین و بے قرار ہے۔ذیل کے مصرعوں میں شاعر نے مینار کو اپنے ''بیکار خدا'' کی مانند قرار دیا ہے۔اور لوگوں کے ہجوم کو بے پناہ ہجوم سے تشبیہ دی ہے۔

اسی مینار کو دیکھ
صبح کے نور سے شاداب سہی
اسی مینار کے سائے تلے کچھ یاد بھی ہے
اپنے بیکار خدا کی مانند
اونگھتا ہے کسی تاریک نہاں خانے میں
دیکھ بازار میں لوگوں کا ہجوم
بے پناہ سَیل کے مانند رواں!

(''دریچے کے قریب''ص۹۷)

نیند، ایسی کیفیت ہے کہ انسان کو سکون سے آشنا کرتی اور تھکاوٹ دور کرتی ہے۔ یہاں راشد نے نیند کو موسم سرما کے آغاز میں پرندوں کی حالتِ زار سے تشبیہ دی ہے۔اور خواہشات انسان کے سینے میں اس طرح رینگتی ہیں جیسے حبشی ظلم سہہ رہا ہو۔

نیند، آغازِ زمستاں کے پرندے کی طرح
آرزوئیں ترے سینے کے کہستانوں میں
ظلم سہتے ہوئے حبشی کی طرح رینگتی ہیں!

(''بے کراں رات کے سناٹے میں'')

راشد نے یہاں پر بہت عمدہ تشبیہ دی ہے کہ اس کے محبوب کی ہر انگڑائی اوس کی طرح اڑ گئی ہے اور وہ تمنا کے کاروانوں کی طرح گزرگاہ نہیں۔

اڑ گئی اوس کی مانند ہر انگڑائی بھی!
او رتُو عہدِ گزشتہ کی طرح
کارواں ہائے تمنا کی گزرگاہ نہیں!
(''کشاکش'')

راشد نے اس نظم میں بڑی عمدگی سے تشبیہ استعمال کی ہے کہ ایک مبہم اور غیر واضح خیال اس طرح محسوس ہوتا ہے جیسے کسی ویران جگہ پر نیم سوئے ہوئے پرندہ ہو۔

کسی ویرانے میں سمٹے ہوئے خوابیدہ پرندے کی طرح
ایک مبہم سا خیال (''داشتہ'')

وہ پہلی شبِ مہ شبِ ماہِ دونیم بن جائے گی
جس طرح سازِ کہنہ کے تارِ شکستہ کے دونوں سرے
دو افق کے کناروں کے مانند
بس دور ہی دور سے تھرتھراتے ہیں اور پاس آتے نہیں ہیں (''دوری'')

کھنڈرات اس طرح کھڑے ہیں جیسے صبحِ ازل ایستادہ ہو۔ اس نظم میں راشد کا تخلیقی وفور حیران کن حد تک نمایاں اور ان کے فنی چابک دستی کا بیّن ثبوت ہے کہ انھوں نے بڑی عمدگی کے ساتھ یہ تشبیہ استعمال کی ہے۔

کھنڈر جو صبحِ ازل کی مانند
ایستادہ ہیں، (''ویران کشیدگاہیں'')

اگر ہیں برہنہ سرِ عام تو سب برہنہ
کہ یہ شہر ہے، عدل و انصاف میں
اور مساوات میں
اور اخوت میں
مانندِ حمام! (''ایک شہر'')

یہ دو میں ایک سیمِ نیلگوں کے ساتھ آویزاں
ہیں شرق و غرب کے مانند،
لیکن مل نہیں سکتے!
(''ظلمِ رنگ'')

مگر اس طرح، ایک چشمک میں جیسے
ہمالہ میں الوند کے سینۂ آہنی سے
محبت کا اک بے کراں سیل بہنے لگا ہو
(''طلسمِ ازل'')

نیم شب اور شہرِ خواب آلودہ، ہم سائے
کہ جیسے دزدِ شب گرداں کوئی!
(''کونسی الجھن کو سلجھاتے ہیں ہم؟'')

کچھ دوست عزیز بھی ہیں جو رات دن ہم پیالہ اور ہم نوالہ رہتے ہیں لیکن اُن کی منافقت ملاحظہ کریں کہ وہ دشمنی پر بھی اتر آتے ہیں۔ راشد نے ایسے دوستوں کو اُن دشمنوں سے تشبیہ دی ہے جو جان لینے کے درپے ہوتے ہیں۔

اور کچھ ایسے بھی ہیں، جو رات دن کے ہم پیالہ، ہم نوالہ
پھر بھی جیسے دشمنِ جانِ عزیز!
(''زندگی میری سہ نیم!'')

دوستوں اور عزیزوں کا راستوں پر اس طرح ملنا جیسے بھیڑیے راستے پر بعض اوقات مسافروں کو ملتے ہیں۔ راشد نے اس نظم میں دوستوں کی بے اعتنائی اور اُن کی بیکار زندگی کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

مرے بہت سے رفیق
اپنی اداس، بیکار زندگی کے
دراز و تاریک فاصلوں میں
کبھی کبھی بھیڑیوں کے مانند
آ نکلتے ہیں، راہگزاروں پہ
(''من و سلویٰ'')

اپنے آپ کو روسی حکایات کے ہر زہ گو نوجوانوں سے تشبیہ دینا راشد کے فنی جہتوں کو آشکار کرتا ہے۔

میں روسی حکایات کے ہر زہ گو نوجوانوں کے مانند یہ بے محل وعظ کرتا رہا تھا!

(''نارسائی''،ص۲۰۲)

مگر یہ ستم کی نہایت،
کہ تیرے خیالوں پہ خوابوں پہ بھی
تو بہ تو یاس کائی کے مانند جمنے لگی تھی! (''دستِ ستم گر''،ص۲۲۴)

لہستاں کی عورت کا دل یوں دھڑکتا ہے
جیسے وہ ہندی کی مشکینہ رعنائیوں تک پہنچ کر رہے گا! (''دستِ ستم گر''،ص۲۲۴)

مگر آج کا یہ گدا
یہ ہمیشہ کا محروم بھی
اُن اب وجد کے مانند
گو وقت کے شاطروں کی سیاست کا مارا ہوا ہے (''درویش''،ص۲۲۸)

حَسن کے رُخ و دست و بازو
خراشوں سے یوں نیلگوں ہو رہے تھے
کہ جیسے وہ جِنّوں کے نرغوں میں شب بھر رہا ہو

(''خلوت میں جلوت''،ص۲۳۳)

''تیل کے سوداگر'' خالص استعمار کے خلاف بھرپور احتجاج کی حامل نظم ہے۔جس میں راشد نے فرنگی سامراج کو تیل کے سوداگر میں پیش کیا ہے۔ یہاں پر راشد نے مسافروں کے دروازے اس طرح بند ہیں جیسے سوئی ہوئی حسیناؤں کی پلکیں ہوں۔راشد نے حسن کے پردے میں تشبیہ کو استعمال کرتے ہوئے بڑی تلخاب آمیز بات کی ہے۔

اور رہ رووں کے لیے ان کے در بند
سوئی ہوئی مہ جبینوں کی پلکوں کے مانند،

ہماری نگاہوں نے دیکھے ہیں
سیال سایوں کے مانند گھلتے ہوئے شہر

(''تیل کے سوداگر''، ص ۲۳۵، ۲۳۷)

''حسن کوزہ گر'' راشد کی شاہکار نظم ہے۔ اس میں راشد کا فن اپنے پورے جوبن پر نظر آتا ہے۔ یہ نظم کردار نگاری کے بھرپور پیرائے میں ملبوس ہے۔ اس نظم کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ دراصل راشد، حسن کوزہ گر کے پردے میں خود بول رہے ہیں۔ خودکلامی کی ایک خاص کیفیت ہے۔ خودکلامی کا یہ انداز اگرچہ ''ماورا'' میں نظر آتا ہے لیکن ''حسن کوزہ گر'' میں خودکلامی کا فن عروج کی منازل طے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ کردار اور کردار کے معاشرتی رویے اور ان رویوں میں روز افزوں الجھتی سماجی گتھیاں اور ان کا لاینحل ایسی کیفیات ہیں جن سے شاعر متصادم ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحسن کہتے ہیں:

> ''یہ نظم اساطیری فضا کی حامل ہے۔ اس نظم کو پڑھتے ہوئے بار بار یہ احساس قاری کے دل میں پیدا ہوتا ہے کہ راشد، حسن کوزہ گر کے کردار میں خود بول رہے ہیں..... حسن کوزہ گر پر راشد کا گمان اس لیے گزرتا ہے کہ اس نظم میں جس نظریۂ حیات کو بیان کیا گیا ہے اور مربوط فکر کا اظہار ہوا ہے، اس کا اعادہ راشد اپنی فکر کے طور پر مختلف نثری تحریروں میں بھی کرتے رہے ہیں۔''(۶)

''حسن کوزہ گر'' کا معتد بہ حصہ تشبیہات سے مزین ہے۔ جس میں راشد نے ایک تخلیق کار کی حیثیت سے اپنے فن کی جگمگاہٹ اور جھلملاہٹ کو آشکار کیا ہے۔

''حسن کوزہ گر اب کہاں ہے؟
وہ ہم سے خود اپنے عمل سے
خداوند بن کر خداؤں کے مانند ہے روے گرداں!''
جہاں زاد نو سال کا دَور یوں مجھ پہ گزرا
کہ جیسے کسی شہرِ مدفون پر وقت گزرے؛
میں خود، میں حسن کوزہ گر پا بہ گِل خاک بر سر برہنہ
سرِ ''چاک'' ژولیدہ مُو، سر بزانو
کسی غمزدہ دیوتا کی طرح واہمہ کے
گِل ولا سے خوابوں کے سیال کوزے بناتا رہا تھا۔

تری قاف کی سی افق تاب آنکھوں
میں دیکھی ہے وہ تابناکی

مرے کان میں یہ نوائے حزیں یوں تھی جیسے
کسی ڈوبتے شخص کو زیرِ گرداب کوئی پکارے!
دریچے سے وہ قاف کی سی طلسمی نگاہیں
مجھے آج پھر جھانکتی ہیں
زمانہ، جہاں زاد وہ چاک ہے جس پہ مینا و جام و سبو
اور فانوس و گلداں
کے مانند بنتے بگڑتے ہیں انساں

(''حسن کوزہ گر''، ص ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸)

خدا کی طرح اپنے فن کے خدا سر بسر ہم!

جہاں ایک چہرہ، درختوں کی شاخوں کی مانند
اِک اور چہرے پہ جھک کر، ہر انسان کے سینے میں
اِک برگِ گُل رکھ گیا تھا

(''حسن کوزہ گر۔۴''، ص ۵۴۷، ۵۴۸)

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں
کنجِ ماضی میں ہیں باراں زدہ طائر کی طرح آسودہ

ہم محبت کے خرابوں کے مکیں!
ایسے تاریک خرابے کہ جہاں
دور سے تیز پلٹ جائیں ضیا کے آہو
ایک، بس ایک، صدا گونجتی ہو
شبِ آلام کی ''یاہو! یاہو!''

(''ریگِ دیروز''، ص ۲۶۵)

سینوں میں دل یوں جیسے چشمِ آزِ صیّاد
تازہ خوں کے پیاسے افرنگی مردانِ راد

خود دیوِ آہن کے مانند!

(''ایک اور شہر''، ص۲۶۶)

ہجوم کا اس طرح بپھرنا، بھڑکنا اور پھر غضب کے شعلوں کا بلند ہونا اس طرح بیان کیا ہے کہ جیسے ننگے بدن پر جابر کے تازیانے ہوں۔ ہجوم کے بھڑکنے کو جابر کے تازیانے سے تشبیہ دے کر راشد اپنے فن کا لوہا منوایا ہے۔

یہ دیکھتے ہی ہجوم بپھرا، بھڑک اٹھے یوں غضب
کے شعلے، کہ جیسے ننگے بدن پہ جابر کے تازیانے!

(''ابولہب کی شادی''، ص۲۶۸)

راشد نے ''دل، مرے صحرا نورد پیر دل'' میں بہت سے مقامات پر تشبیہات کا استعمال کر کے اس کی خوبصورتی میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

ریگ صدیوں کا جمال،
جشنِ آدم پر بچھڑ کر ملنے والوں کا وصال،
شوق کے لمحات کے مانند آزاد و عظیم!
ریگ شب بیدار ہے، نگراں ہے مانندِ نقیب

آگ انسانوں کی پہلی سانس کے مانند اک ایسا کرم

وہ شرر جو اس کی تہہ میں پر بریدہ رہ گئے
مثلِ حرفِ ناشنیدہ رہ گئے!

(''دل، مرے صحرا نورد پیر دل''، ص۲۵۲، ۲۷۵، ۲۸۱)

جس طرح آنسو چھلک پڑتے ہیں کیوں کہ یہ ایک خاص کیفیت میں ہوتے ہیں جب کہ اس کے مقابلے میں مئے اشکوں کی طرح نہیں چھلک سکتی۔

مَے چھلک سکتی نہیں، اشک کے مانند یہاں

(''آئینہ حس و خبر سے عاری''، ص۲۹۳)

آئینہ ایک پُر اسرار جہاں میں اپنے
وقت کی اوس کے قطروں کی صدا سنتا ہے،
عکس کو دیکھتا ہے، اور زباں بند ہے وہ
شہرِ مدفون کے مانند ہے وہ!
اس کے نابود کو ہم ہست بنائیں کیسے؟
آئینۂ حس و خبر سے عاری! ("آئینۂ حس و خبر سے عاری"، ص ۲۹۳، ۲۹۴)

اس کے سوا کیونکر ٹوٹے گا گہرا سناٹا؟
قائم جس کے دم سے پیڑوں کی یہ دوری ہے
باہم تاروں کے سے فاصلے ہیں، مجبوری ہے
خواب کی سی معذوری ہے! ("اندھا جنگل"، ص ۲۹۸)

راشد نے یہاں پر تشبیہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ راہب اس طرح کھڑا ہے جیسے مرمر کی سلیں ہوں۔ یعنی بڑی مضبوطی اور سلیقے کے ساتھ۔
راہب استادہ ہیں مرمر کی سلوں کے مانند

("آرزو راہبہ ہے"، ص ۳۰۹)

شاعر نے تشبیہ کی ایک خوبصورت مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ انسان کو اپنی بکھری اور الجھی خواہشوں کو ستاروں کی کرنوں کی مانند سلجھانا چاہیے۔
سلجھاؤ اپنی تمنا کے ژولیدہ تار،
ستاروں کی کرنوں کے مانند سلجھاؤ ("تمنا کے تار"، ص ۳۱۰)

"ہم کہ عشاق نہیں......" میں راشد نے کہیں کہیں ایک مصرع میں اور کہیں کہیں دو دو تین تین مصرعوں میں بیک وقت تشبیہات استعمال کی ہیں۔
_____ ہم سرچشمہ نگوں سار کسی سوچ میں ہیں
سحر و شام ہے ہر لہر کی جمع و تفریق
جیسے اک وہم ہو اعداد کے کم ہونے کا
جیسے پنہاں ہو کہیں سینے میں غم ہونے کا!

ہر سحر آتی ہے امید کے مخزن لے کر
اور دن جاتا ہے نادار، کسی شہر کے محسن کی طرح!
محو کرتے ہی چلے جاتے ہیں اک دوسرے کو ہر زہ سراؤں کی طرح!

ہاں وہ جذبات جو باہم کبھی مجبور نہ ہوں
رہیں پیوست جو عشاق کی باہوں کی طرح

(''ہم کہ عشاق نہیں.....'' ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۱، ص ۳۲۲)

''آنکھیں کالے غم کی'' ایک سراپا احتجاج نظم ہے جو آمر کے ظلم وستم کے خلاف لکھی گئی ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس نظم کو کسی حد تک ترقی پسند نظریات کی نفی کرتی ہوئی نظم بھی قرار دیا ہے(۷)۔ جابر آمر کو اس طرح پینٹ کیا ہے کہ اس کے میلے دانت اندھیرے میں یوں چمکتے ہیں جیسے پچھلے دروازے سے آمر آدھمکتا ہے۔

اندھیرے میں یوں چمکیں آنکھیں کالے غم کی
جیسے وہ آیا ہو بھیس بدل کر آمر کا
آنے والے جابر کا!
اندھیرے میں یوں چمکے مَیلے دانت بھی غم کے
جیسے پچھلے دروازے سے آمر آدھمکے
سر پر ابنِ آدم کے!
غم بھی آمر کے مانند اک دم والا تارا
غم گر جابر سا، جیسے آمر گرجے برسے

(''آنکھیں کالے غم کی'' ص ۳۲۶، ۳۲۷)

نیم شب کون ہے آوارہ دعاؤں کی طرح
لو چلے آتے ہیں وہ عقدہ کشاؤں کی طرح

شبِ تنہائی در و بام ڈراتے ہیں مجھے
دل میں اندیشے اترتے ہیں بلاؤں کی طرح

(''بے پر و بال''، ص ۳۳۱، ۳۳۲)

شہر کے شہر کا افسانہ، وہی آرزوے خستہ کے لنگڑاتے ہوئے پَیر
کہ ہیں آج بھی افسانے کی دزدیدہ وژولیدہ لکیروں پہ رواں
اُن اسیروں کی طرح جن کے رگ وریشہ کی زنجیر کی جھنکار

(''افسانۂ شہر''، ص۳۳۹، ۳۴۰)

راشد نے یہاں پر اپنی انانیت کو محبوب پر قربان کرنے کا عزم کیا ہے۔ میں اُسے اس طرح پالوں گا جس طرح میں اپنے جسم اور روح کو پالتا ہوں۔ یعنی وہ میرے لیے اتنا لازم ہوگیا ہے کہ جتنی اہمیت میرے جسم اور روح کی ہے اُسی طرح وہ بھی میرے لیے اُتنا ہی نہایت اہم ہوگیا ہے۔

اپنے جسم وروح میں ''میں'' کی طرح پالوں تجھے

(''پَیرو''، ص۳۶۶)

کلامِ راشد میں دیگر حروفِ تشبیہ کے ساتھ ساتھ ''طرح'' بھی بڑی خوبصورتی سے استعمال کی ہے۔ ''زندہ زبانوں کی طرح''، ''اذانوں کی طرح'' اور ''نادیدہ زمانوں کی طرح'' دلکش تشبیہات کے پیکر میں ملبوس راشد کے فن کو بڑی عمدگی اور خوش سلیقگی کے ساتھ اظہار کر رہی ہیں۔

میں نے دریا کے کنارے جو پرے دیکھے ہیں
جو چراغوں کی لویں دیکھی ہیں
وہ لویں بولتی تھیں زندہ زبانوں کی طرح

میں نے ہونٹوں پہ تبسم کی نئی تیز چمک دیکھی ہے
نور جس کا تھا حلاوت سے شرابور
اذانوں کی طرح!
راز وہ اُن کی نگاہوں میں نظر آیا ہے
جو ہمہ گیر تھا نادیدہ زمانوں کی طرح!

(''سالگرہ کی رات''، ص۳۷۵، ۳۷۶)

وہ مرگ کہ ہے شرم کی تمثیل

افسوس کے دروازے پر اک عشقِ سیہ روز
کے مانند پڑا ہے
وہ مرگ کہ ہے شرم کی تمثیل
افسوس کے دروازے پر اک عشقِ سیہ روز
کے مانند پڑا ہے

(''اس پیڑ پہ ہے بوم کا سایہ''، ص ۳۸۰)

اور اس شہر کے دلشاد مسافر، جن پر
ان کے سائے سے بھی لرزہ طاری،
پیکرِ خواب کے مانند سرِ راہ پلٹ جائیں گے)

رات یوں چاہا مجھے تو نے کہ میں فرد نہیں
بلکہ آزادی کے دیوانوں کا جمگھٹ ہوں میں؛
رات یوں چاہا تجھے میں نے کہ تُو فرد نہ ہو
بلکہ آئندہ ستاروں کا ہجوم_____

(''ہم رات کی خوشبوؤں سے بوجھل اٹھے''، ص ۳۸۷، ۳۸۸)

کلامِ راشد میں ''رات'' ایک خاص علامت کے پیکر میں ملبوس ہے۔ رات ہمیشہ ظلمت اور مایوسی کی علامت گردانی جاتی ہے۔ رات کو اُن پودوں سے تشبیہ دی ہے جو کنویں میں پیدا ہوتے ہیں۔

رات ذرا سر اٹھا، فرش سے چسپیدہ تو
جیسے کنویں سے نبات!

(''رات خیالوں میں گم''، ص ۳۹۳)

راشد نے ذیل کے مصرعوں میں نہ صرف تشبیہات کا خوبصورت استعمال کیا ہے بل کہ نادر و نایاب اور منفرد تراکیب سے ایک ایسا سماں باندھ دیا ہے جو جدید اردو شاعری میں بالکل اچھوتا اور نیا تجربہ ہے۔ مثلاً: ''لرزشِ پیہم''، ''جہدِ بے کار''

اک نفی لرزشِ پیہم میں سہی
جہدِ بے کار کے ماتم میں سہی
ہم جو نارس بھی ہیں، غم دیدہ بھی ہیں

اس خلا کو
اسی دہلیز پہ سوئے ہوئے
سرمست گدا کے مانند (''یہ خلا پُر نہ ہوا''، ص ۴۱۵)

یہی وہ کاسۂ جاں
جس میں جلائی ہیں گلوں کی شمعیں،
جس میں سورنگ سے کل رات کے مانند
منائی ہیں خدائی راتیں!

(''طوفان اور کرن''، ص ۴۳۲)

شہرِ آیندہ کے دست و پا کے رنگ
_____ جیسے جاں دینے پہ سب آمادہ ہوں _____
دست و پا میں جاگ اٹھے
راگ کے مانند، (''اے سمندر''، ص ۴۴۱)

راشد کی نظم ''سمندر کی تہ میں'' پراسرار ماحول کی حامل ہے اور اس نظم میں تشبیہ اور استعارے اس ماحول کی شدت اور تاثر میں اضافے کا باعث بنتے نظر آتے ہیں۔

اور اب تک ہے صندوق کے گرد
لفظوں کی راتوں کا پہرا
_____ وہ لفظوں کی راتیں
جو دیووں کی مانند _____
پانی کے لسد ارد یووں کے مانند! (''سمندر کی تہ میں''، ص ۴۵۱)

یونہی لیکن بھی مرے ساتھ
کسی بوڑھے جہاں گرد کے مانند
لڑھکتا رہا لنگڑاتا رہا _____
شام ہوتے ہی وہ اُن خوف کے پتلوں کی طرح

جو زمانے سے، کسی شہر میں مدفون چلے آتے ہوں

(''آپ'' کے چہرے''، ص۴۵۸)

راشد نے تلاش کو مریل گدھے سے بڑی عمدگی سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح مریل گدھے میں کوئی ہمت نہیں رہتی۔ اب تلاش بھی تھکاوٹ کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہاں راشد نے تشبیہ میں استفہامیہ پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

تلاش_____ مریل گدھے کے مانند
کس دریچے سے آ لگی ہے؟

(''مریل گدھے''، ص۴۶۰)

مرے عشق کے سامنے
جنتری کے ورق
اب زیادہ نہ پلٹو
کہ یہ آئنوں کے طلسموں کے مانند
تاریخ کو بار ہا رٹ چکی ہے

(''میں کیا کہہ رہا تھا؟''، ص۴۶۵، ۴۶۶)

ذات کا کرب اور اپنے ہی عہد سے فرار ہو جانا اور پھر اپنی ہی ذات سے الوداع ہونے کی خواہش، ایسی کیفیات ہیں جسے راشد نے بخوبی نبھایا ہے۔

وہ کیا کہیں گے؟ میں خداؤں کی طرح_____
ازل کے بے وفاؤں کی طرح
پھر اپنے عہدِ ہمدمی سے پھر گیا؟
مجھے وداع کر، اے میری ذات

(''مجھے وداع کر''، ص۴۷۹، ۴۸۰)

راشد نے یہاں پر کلام (یعنی شاعری) کو موضوعِ بحث بنایا ہے کہ کلام اب آہستہ آہستہ اس طرح پگھل رہا ہے جیسے دلوں کی شمع جل بجھ رہی ہو۔

کلام اب پگھل رہا ہے رفتہ رفتہ

اُن دلوں کی شمع کی طرح
جو جل چکے، جلا چکے_____

(''کلام ہنس نہیں رہا''، ص۵۰۸)

راشد نے یہاں پر اپنے آپ کو اُس ٹھنڈے پتھر سے تشبیہ دی ہے جو بھورے سبزوں میں ریت اور ہوا کی یادوں میں لوٹتا ہے۔ ''بھورے سبزہ'' اور ''یادوں میں لوٹنا'' ایک اچھوتا خیال اور شاعر کے تخلیقی وفور کا بھرپور اظہار ہے۔

وہ ٹھنڈا پتھر جو میرے مانند
بھورے سبزوں میں
دور ریگ و ہوا کی یادوں میں لوٹتا ہے

(''گماں کا ممکن_____ جو تُو ہے مَیں ہوں''، ص۵۳۳)

یہ ایک نئی تشبیہ ہے۔ اس میں راشد نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ غنچوں کو امید تھی اور پھول بھی ان کی مانند اُن کی خود فہمی کی جستجو سے پیدا ہوں گے۔

اُنھیں (اُن غنچوں کو) امید تھی
وہ پھول بھی اُن کی مانند
اُن کی خود فہمی کی جویائی سے
پیدا ہوں گے

(''پرانی سے نئی پود تک''، ص۵۵۱)

شاعر نے اپنے آپ کو اُس مفرور طالب علم سے تشبیہ دی ہے جو جہنم کی دیوار کے نیچے بیٹھا ہے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تماشا دیکھ رہا ہے۔ گویا جہنم میں کوئی تماشا برپا ہے اور طالب علم محوِ حیرت ہے۔

میں دیوارِ جہنم کے تلے
ہر دوپہر، مفرور طالب علم کی مانند
آ کر بیٹھتا ہوں اور دزدیدہ تماشا

(''بے چارگی''، ص۵۷۱)

''خوب کی گود میں سلانا'' نہ صرف ایک خوبصورت خیال ہے بل کہ اپنے آپ کو مذکورہ شخصیت کی طرح خواب کی گود میں سلانا ایسی تشبیہ ہے جو راشد کے تخلیقی جہات کو آشکار کرتی ہے اور راشد ایک ہمہ جہت شاعر بن کر سامنے آتے ہیں۔

وگرنہ مجھ کو بھی ان کے مانند خواب کی گود میں سلا دو!

(''دل سوزی''،ص۵۴)

راشد نے اپنی نظم ''عہدِ وفا'' کے صفحہ ۷۰ میں بڑی فنی چابک دستی اور کمال مہارت سے شمع کے سائے کو اس طرح پینٹ کیا ہے کہ وہ دیوار پر محراب کی شکل بن گئی ہے۔

شمع کے سائے سے دیوار پہ محراب سی ہے

اسی نظم میں راشد نے اپنے آپ کو سرمست مگر مچھ کہا ہے۔

میں جو سرمست نہنگوں کی طرح (''عہد وفا''ص۷۲)

درج بالا بحث دراصل راشد کے صرف ایک پہلو (تشبیہ) کو نمایاں کرتی ہے۔کلامِ راشد میں اس طرح کا بہت سا ذخیرہ موجود ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈاکٹر سہیل عباس خاں کی تدوین کردہ میرامن کی ''باغ و بہار'' کو سامنے رکھ کر کلامِ راشد پر بھی کام کیا جا سکے۔ تا کہ راشد کے فکر کے ساتھ ساتھ حقیقی معنوں میں فن کو بھی تلاش کیا جا سکے اور اردو نظم کے اس عظیم شاعر کی تفہیم کے کئی بند در کھولے جا سکیں۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، ''البیان''، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۹ء، ص۱۳۰

۲۔ مزمل حسین، ڈاکٹر، ''ادبی مطالعات''، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۷۵

3۔ J.A. Cuddon, "Literary Terms and Literary Theory" England, Penguin Books, Pg#830

۴۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر، ''تعارف ''ماورا''، لاہور، المثال، ۱۹۶۹ء، ص۱۱۹

۵۔ منیر، عنبرین، ''وردِ خاک کا نغمہ خواں''، فیصل آباد، مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص۵۲

۶۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر، مضمون ''حسن کوزہ گر: ایک جائزہ''، مشمولہ ''بازیافت'' [ن م راشد نمبر] لاہور، شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، شمارہ:۱۶، جون ۲۰۱۰ء، ص۱۸۵، ۱۸۶

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی، مضمون ''ن م راشد: صورت و معنی کا کشاکش''، مشمولہ ''تخلیق، تنقید اور نئے تصورات'' مرتبہ: محمد حمید شاہد، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۱ء، ص۴۲۵

۸۔ کلیاتِ ن م راشد، لاہور، ماورا پبلشرز، سن ندارد